Vol. 7 No.1 2024

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

# زیف سید: بورخیس کے اردو تراجم

# Zaif Syed: Urdu Translations of Borkhes

**۱۔ قمر عباس علوی**، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف جھنگ

**۲۔ ڈاکٹر نازیہ سحر**، شعبہ اردو اسلامیہ کالج پشاور

**۳۔ صدیق**، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو قرطبہ یونیورسٹی پشاور

## Abstract:

*Jorge Francisco Luis Borges is an Argentine Short-Story Writer, Poet, Essayist and Translator regarded as a key figure of Spanish Language and International Literature. A Universal History of Iniquity (1935), Fictions (1944), Artifices (1944), The Aleph (1949), The Maker (1960), In Praise of Darkness (1969), Brodie's Report (1970) , The Book of Sand (1975) and Shakespeare's Memory (1983) are the collections of his Short-Stories. Borges's works have contributed to philosophical Literature and the fantasy genre, and have had a major influence on the magic realistic movement of 20th century Latin American literature. This article is a review of the stories of Borges translated by Zaif Syed(Zafar Syed).*

**Key Words:** Jorge Luis Borges, Magical Realism, Latin America, Boom, Fiction

بیسویں صدی کے نصف اول تک عالمی ادب کی اصطلاح کا مطلب عموماً یورو سینٹر ادب ہی تھا جسے نظریاتی سطح پر مابعد جدید مفکرین نے چیلنج کیا تو یورپ سے باہر کے (خاص کر افریقی اور لاطینی امریکی) لکھاریوں کو بھی اعتماد سے پڑھا جانے لگا جس کا بین ثبوت ان مصنفین کے دیگر زبانوں میں تراجم ہیں۔ بیسویں صدی میں تیسری دنیا کے فکشن کو جن چند مصنفین نے متاثر کیا ان میں فرانز کافکا (1883تا1924) اور بورخیس سرفہرست ہیں۔ بورخیس لاطینی امریکہ سے رکھنے والے ان مصنفین میں سے ہیں جنھوں نے اپنی ثقافت، نوآبادیاتی تجربے اور لاطینی امریکی روایت کی بازیافت کو فکشن کا موضوع بنایا جو یورپی ناقدین کے لیے تو ایک نوع کا طلسم یا طلسمی حقیقت ہے مگر لاطینی امریکیوں کے لیے عین حقیقت ہے، بورخیس کی انفرادیت ہے کہ وہ حقیقت اور طلسم کی درمیاں لکیر کو اس درجہ دھندلا دیتے ہیں کہ بسا اوقات حقیقت اور طلسم کا فرق مٹ جاتا ہے۔

اردو دنیا کے لیے خورخے لوئیس بورخیس کا نام اجنبی ہر گز نہیں اردو دان طبقے میں اس کا پہلا تعارف معروف نقاد ممتاز شیریں (1) نے 1962 میں دو افسانوں کے اردو تراجم کی صورت میں کروایا۔ ازاں بعد آصف فرخی، اسد محمد خاں، اجمل کمال، صغیر ملال، محمود احمد قاضی اور عاصم بٹ نے اس کے متعدد افسانوں کے اردو تراجم کیے جن میں عاصم بٹ (بورخیس کہانیاں) اور زیف سید کا امتیاز ہے کہ انھوں نے اتنے افسانوں کو اردو روپ دیا کہ وہ الگ مجموعے مرتب کر سکیں۔ اردو میں بورخیس کے تراجم کی روایت کو شائستہ شریف نے اپنے مضمون **اردو میں بورخیس کے تراجم** (مطبوعہ: بنیاد، 2021) میں خوبصورتی سے سمیٹا ہے مگر بہ وجوہ زیف سید کے تراجم (بھول بھلیاں) اس کا حصہ نہ بن سکے۔ زیف سید نے بھول بھلیاں (مطبوعہ: 2019) میں بورخیس کے پندرہ افسانوں کے تراجم شائع کیے ازاں بعد ان پندرہ افسانوں، دس مضامین اور گیارہ نظموں کے تراجم کو باغِ ہزار پیچ (مطبوعہ: 2021) میں یکجا کر دیا جنھیں پہلی بار اثبات پبلی کیشنز (ممبئی) نے اور دوسری بار بلاترمیم سٹی بک پوائنٹ (کراچی) نے شائع کیا ہے یہ مضمون زیف سید کے انھی تراجم کے جائزے کو محیط ہے۔

خورخے لوئیس بورخیس 24 اگست 1899 (تا 14۔ جون 1986) کو ارجنٹینا کے شہر بیونس آئرس میں پیدا ہوئے حصول تعلیم کے بعد کچھ عرصے کے لیے بیونس آئرس یونیورسٹی میں انگریزی ادب پڑھایا ازاں بعد نیشنل پبلک لائبریری کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے جہاں انھوں نے اپنی زندگی کا بیش تر حصہ گزارا اور بہ طور مضمون نگار، شاعر، افسانہ نویس اور مترجم شہرت قائم کی۔ بورخیس کے خاندان میں نابینا پن وراثتی تھا جنم لیا تو ننھے بورخیس کی آنکھیں خاندان کے بقیہ افراد کی طرح بھوری ہونے کے بہ جائے نیلی تھیں جس پر خوشی کا اظہار کیا گیا کہ خوش قسمتی سے یہ اندھے پن سے بچ گیا ہے مگر یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہو سکی اور بدقسمتی سے اپنی زندگی کی چھٹی دہائی کے اختتام

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تک بورخیس بینائی سے محروم ہوگئے۔ بورخیس نے اپنی محرومی کو کمزوری نہ بننے دیا اور پاپولر ادب سے صحائف تک ہر چیز کا نہ صرف ان تھک مطالعہ کیا بلکہ اس مطالعے کو اپنے شعور کا حصہ بنا کر تخلیقی اظہار بھی کیا۔

بورخیس نے لائبریری سے وابستگی اور انتھک مطالعے کو اپنے فکشن اور شاعری کا موضوع بناتے ہوئے کہانی کے روایتی سانچوں (حقیقی زندگی کی عکاسی، پلاٹ، کردار، کہانی پن) کو چیلنج کر کے نئی طرح کی کہانی کی بنیاد رکھی، جس میں صرف نیا پن ہی نہیں غائر مطالعہ اور غور فکر بھی ہے (جو قارئین روایتی کہانی کے رسیا ہیں انھیں بورخیس کا مطالعہ ٹائم کلنگ سے زیادہ کچھ نہیں دے سکے گا)۔ مثلاً ان کی ایک کہانی "ابن رشد کی تلاش" (2) ہے جس میں بارھویں صدی کے ابن رشد (1126۔1198) کو ایک عجیب لسانی معمے میں گرفتار دکھایا گیا ہے۔ ابن رشد عربی نژاد ہسپانوی مفکر ہیں جو ارسطو کی کتاب "پوئیٹکس" کی عربی زبان میں شرح لکھنے میں مصروف ہیں، مگر دو اصطلاحات ان کے لیے شدید مشکل کا باعث ہیں۔ یہ دو اصطلاحات "ٹریجڈی" اور "کامیڈی" ہیں جن کا ذکر وہ ارسطو کی کتاب Rhetoric میں بھی پڑھ چکے ہیں مگر ان کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کرنے میں خود کو قاصر پاتے ہیں۔ ابن رشد اپنا مسودہ چھوڑ دیتے ہیں اور ما قبل مصنفین (ابن سینا اور الجاحظ) کی کتب سے رجوع کرتے ہیں کہ شاید وہ مفید ثابت ہوں مگر بے سود۔ اسی دوران میں انھیں ایک محفل یاد آتی ہے جس میں سیاح ابوالحسن العشری (جس کا دعوا ہے کہ وہ اپنی سیاحت کے دوران چین کی سرحدوں کو جا پہنچا) ایک قصہ سناتا ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو ایک کہانی کو بیان کرنے کے لیے عجیب حرکات کر رہے ہیں: وہ قیدی بن جاتے ہیں مگر کوئی زندان نہیں، گھڑ سواری کرتے ہیں پر کوئی گھوڑا نہیں رکھتے، جنگیں لڑتے ہیں اور تلواریں بانس کی ہیں، مگر العشری کے اس قصے کو محفل کے سب شرکاء ایک مزاحیہ کہانی سمجھتے ہیں اور کہانی کے کرداروں کو پاگلوں جیسا قرار دیتے ہوئے فخریہ اظہار کرتے ہیں کہ کہانی جتنی بھی ہمہ جہت ہو اسے بیان کرنے کے لیے ایک شخص کافی ہے کیوں کہ عربی زبان میں اتنی وسعت ہے کہ وہ کوئی سی کیفیت ہو بیان کر سکتی ہے۔ محفل کے باقی شرکاء کی طرح ابوالحسن ان تمام شعراء کے کلام کو رد کرتا ہے جو قرطبہ یا دمشق میں بیٹھ کر بدوی محاکات اور لفظیات سے چمٹے ہوئے ہیں ان کے برعکس وہ زہیر کے معلقہ کی تعریف کرتا ہے کہ اس نے تقدیر کو اندھے اونٹ سے اس لیے تشبیہ دی کے اس نے عمر بھر دیکھا کہ تقدیر اندھے اونٹ کی طرح لوگوں کو روند دیتی ہے۔ العشری کی طرح ابن رشد کے لیے اس بات کو سمجھنا تقریباً ناممکن ہے کہ کہانی سنانے کے علاوہ کسی صورت میں بھی بیان کی جا سکتی ہے یا اسے کر کے بھی دکھایا جا سکتا ہے غرض یہ کہ اسی ادھیڑ بن میں ابن رشد رات سے صبح کرتے ہیں اور اپنے مسودے میں ایک سطر کا اضافہ کرتے ہیں "ارسطو قصیدے کو ٹریجڈی کہتا ہے اور ہجو کو کامیڈی، قران اور سبع معلقات میں کئی تریجڈیاں اور کئی کامیڈیاں ہیں"۔ ابن رشد ٹریجڈی کے مترادف قصیدہ اور کامیڈی کے مترادف ہجو کو اس لیے بھی سمجھتے ہیں کہ ایک مسلم عرب کے لیے جس کے ذہن میں ڈرامے کا سرے سے کوئی تصور نہیں مذکورہ بالا دونوں اصطلاحوں کا درست مطلب سمجھنا قریباً ناممکن ہے۔

ابن رشد کا دونوں اصلاحوں کو سمجھنے سے قاصر رہنا اتنا سادہ معاملہ نہیں ہم اسے برطانوی فلاسفر لڈوگ وٹگنسٹائن (1889_1951) کے اس جملے:

"میری دنیا وہیں تک محدود ہے جہاں تک میری زبان کی وسعت ہے" (3) کی مدد سے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ابن رشد کا پس منظر عربی ہے جس میں ڈرامے کا وجود نہیں لہٰذا اس کے لیے ڈرامے کو سمجھنا ناممکنات میں سے ہے۔ کہانی میں بورخیس نے ناکامی اور شکست کو گرفت میں لینے کے لیے جہاں ابن رشد کا انتخاب کیا جو اپنے سے لگ بھگ سولہ صدیوں کے فاصلے پر موجود ارسطو (384ق۔م_322ق۔م) کی تفہیم میں سرگرداں ہے وہیں خود کو بھی ایک کردار بنایا کہ بیسویں صدی کا لاطینی امریکی مصنف خورخے لوئیس بورخیس بارھویں صدی کے ابن رشد کو چند شذرات کی مدد سے سمجھے میں اسی نوع کی ناکامی کا سامنا کرتا ہے جیسی بارھویں صدی کے ابن رشد کو ساڑھے تین سو سال قبل از مسیح کے ارسطو کو سمجھنے میں درپیش ہے۔ مختصراً یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور یہ کہانی ہم سب کی ہے جس کا خمیر خالص مطالعے سے اٹھایا گیا ہے۔

بورخیس کی کہانی "مرقس کی انجیل" (4) میں ایک بتیس سالہ جوان بلتازار ایسپی نوزا کا واقعہ بیان کیا ہے جو اسے لاس ایلاموس کی چراگاہ میں پیش آتا ہے۔ کہانی کچھ یوں ہے کہ ایسپی نوزا اپنے عم زاد ڈینیئل کی دعوت پر اس کے پاس گرمیوں کی چھٹیاں گزارے ایلاموس چراگاہ جاتا ہے، تھوڑے دنوں بعد ڈینیئل کو اپنی کاروباری ضرورت سے دوسرے شہر جانا پڑتا ہے مگر ایسپی نوزا چند کتابوں کے ہمراہ اسی چراگاہ میں رہنا پسند کرتا ہے۔ کچھ دنوں بعد علاقے میں سیلاب آجاتا ہے اور ایسپی نوزا اپنے عم زاد کے مویشیوں کے رکھوالے گوترے خاندان کو اپنی مکان میں رہنے کی اجازت دے دیتا ہے اور یوں وہ ایسپی نوزا کی مدد سے اپنے مویشی سیلاب سے بچانے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ایسپی نوزا اپنی تنہائی کو ختم کرنے کے لیے گھر میں پہلے سے موجود انجیل کے نسخے کے مطالعے میں گم کر دیتا ہے وہ روزانہ شام کے کھانے کے بعد گوترے خاندان (جو تین افراد، باپ، بیٹا اور ایک بیٹی ہر مشتمل اور ان پڑھ ہیں) کو بائبل کا ایک حصہ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی مدد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ گوترے خاندان کی لڑکی کامینا ایسپی نوزا کے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

علاج کرنے سے ٹھیک ہو جاتا ہے جس کے سبب ان میں ممنونیت، اعتماد اور اپنائیت فروغ پانے لگتے ہیں یہاں تک کہ مرقس کی انجیل کا مطالعہ مکمل ہو جاتا ہے اور ایسپی نوزا بقیہ تین اناجیل کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے مگر گوترے خاندان کا باپ باز قرأت کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔ایک رات گوترے خاندان کی لڑکی سخت سردی میں ایسپی نوزا کے دروازے پر دستک دیتی ہے اور دروازہ کھولنے پر کمرے میں داخل ہو جاتی ہے اور رات وہیں بسر کرتی ہے مگر دونوں میں کوئی جسمانی اختلاط نہیں ہوتا ایسپی نوزا اس واقعے کو نظر انداز کر دیتا ہے یہاں تک کہ اگلے دن کا آغاز بالکل عام دنوں کی طرح ہوتا ہے اور گوترے خاندان کا باپ ایسپی نوزا سے سوال کرتا ہے "کیا یسوع مسیح نے خود کو اس لیے مصلوب ہونے دیا کہ وہ باقی انسانیت کو بچا سکے؟" ایسپی نوزا ذاتی طور پر آزاد خیال ہونے کے باوجود انجیل میں لکھے الفاظ کا دفاع کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہوئے ہاں میں جواب دیتا ہے۔یہاں تک کہ وہ یہ سوال کرتا ہے "کیا جن لوگوں نے کیلیں ٹھونکی تھیں وہ بھی بچا لیے جائیں گے؟" ایسپی نوزا کی دینیات کمزور تھی پھر بھی اس نے اس خوف سے کہ کہیں رات والے واقعے کا پول نہ کھل جائے سوال کا ہاں میں جواب دیا۔آخری رات ایسپی نوزا نے مرقس کی انجیل کے آخری دو ابواب پڑھ کر سنائے اور بشارت دی کہ اب طوفان اتر رہا ہے اور زیادہ دیر نہیں، گوترے خاندان نے اس کے الفاظ ہو بہو دہرائے "اب زیادہ دیر نہیں" اور اگلے دن ایسپی نوزا کو مصلوب کر دیا۔اس کہانی کا انجام بھی قاری کو چونکا دیتا ہے مگر نہیں جس نے مرقس کی انجیل پڑھی ہے اس کے لیے کہانی کو سمجھنا زیادہ مشکل نہیں۔

مرقس کی انجیل چار انجیلوں میں سے ایک ہے جس میں مرقس نے اس نقطے کو فوکس کیا ہے کہ یسوع کو زمین پر اس لیے بھیجا گیا کہ وہ اپنی جان کی قربانی دے کر لوگوں کو گناہوں سے آزاد کرائے۔مرقس نے یسوع مسیح کی تعلیمات کو کم اور عملی کارناموں پر زیادہ زور دیا ہے آخری ابواب میں حضرت یسوع کی زمینی زندگی کے آخری ہفتے کے حالات اور تصلیب کا ذکر ہے۔گوترے خاندان نے وہی کیا جو انھوں نے مرقس کی انجیل میں سنا نیز ایسپی نوزا اور یسوع مسیح میں کچھ باتیں مشترک ہیں جیسے دونوں کی مصلوب ہوتے وقت بتیس سال کی عمریں اور انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنا۔مجموعی طور پر لکھے ہوئے لفظ کی حرمت کو بورخیس نے موضوع بنایا ہے جو موجود کی عکاسی سے بہت مختلف نوعیت کی حقیقت ہے۔

"باغ ہزار پیچ "(5) ایک چینی پروفیسر کی روداد ہے جو پہلی جنگ عظیم میں نازی جرمنی کے جاسوس کی حیثیت سے برطانیہ میں رہ رہا ہے مگر ایک دن اسے پتا چلتا ہے کہ خفیہ ایجنسی ایم آئی فائیو کا آئرستانی اہلکار کیپٹن رچرڈ میڈن اس کے رابطہ کار تک پہنچ چکا ہے اور اب کسی وقت بھی وہ اسے گرفتار کر سکتا ہے مگر اپنی یقینی گرفتاری اور موت سے پہلے اسے ایک آخری کام توپ خانے کے اسلحے کے ایک ذخیرے کے بارے میں جرمن دوستوں کو آگاہ کرنا ہے۔جہاں اسلحے کا ذخیرہ ہے اس کے قریب ہی ماہر چینیات ڈاکٹر سٹیفن البرٹ کا گھر ہے۔چینی پروفیسر اپنے فلیٹ سے ایک پسٹل جس میں صرف ایک بولٹ ہے اور چند ضروری اشیا اٹھا کر جلدی میں سٹیشن سے ٹرین پکڑتا ہے اور چلتی ٹرین سے دیکھتا ہے کہ رچرڈ میڈن اس کا تعاقب کر رہا ہے مگر اسے یقین ہے کہ میڈن کو مجھ تک پہنچنے میں کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ لگ سکتا ہے کیوں کہ دوسری ٹرین کو ڈیڑھ گھنٹے کی تاخیر ہوتی ہے۔بلاخر وہ ڈاکٹر البرٹ کے گھر پہنچ جاتا ہے جو اسے بتاتا ہے کہ تم ہزار پیچوں والا باغ اور بھول بھلیاں دیکھنے آئے ہو جو تمھارے پردادا تسوئی پین نے بنائی تھیں جو دینی کتابوں کا شارح، شطرنج کا زبردست کھلاڑی، مشہور شاعر اور خطاط تھا جس نے صوبے کے گورنر کی ملازمت اور مراعات تج کر تیرہ سال اس کام میں لگا دیے۔اس نے ایک بار کہا ہو گا "میں کتاب لکھنے کے لیے گوشہ نشین ہو رہا ہوں، ایک اور موقعے پر کہا میں بھول بھلیاں بنانے کی لیے گوشہ نشین ہو رہا ہوں، سبھی نے سوچا یہ دو کام ہیں کسی کو خیال نہیں آیا کتاب اور بھول بھلیاں ایک ہی ہیں"۔سٹیفن البرٹ اپنی تحقیق سے اس نتیجے ہر پہنچتا ہے کہ بھول بھلیاں اور ناول لکھنا ایک ہی کام ہے مگر عجیب اتفاق کی بات ہے کہ تسوی پین یہ کام مکمل کرنے سے قبل پراسرار طریقے سے قتل ہو جاتا ہے اور کام ادھورا چھوڑ جاتا ہے۔سٹیفن البرٹ اپنی اس بات سے چینی پروفیسر کو مزید حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ اس کا پردادا چینی ناول نگار اپنی کہانی میں ہر واقعے کے ایک سے زائد نتائج پیش کرتا چلا جاتا ہے مگر ان نتائج سے برامد ہونے والے مختلف راستے کہیں آگے چل کر ایک ہونے کا امکان بھی رکھتے ہیں اور ناول میں ملنے آنے والے چینی ہر وفیسر کا بھی ذکر ہے جو اسے ملنے بیک وقت دو راستوں سے آیا ہے: ایک راستے سے دوست بن کر اور ایک راستے سے دشمن۔چینی پروفیسر دو راستوں (دوست اور دشمن) میں سے دشمن کا انتخاب کرتا ہے اور اپنے پسٹل سے جس میں صرف ایک ہی بولٹ ہے سٹیفن البرٹ کو قتل کر دیتا ہے۔کہانی اسی حیرت انگیز موڑ ہر ختم ہو جاتی ہے۔

بورخیس نے اس کہانی میں وقت کی لامتناہیت کو چھیڑا ہے جس میں ہمارے پاس ہر واقعے کے کئی امکانات ہوتے ہیں ایک وقت میں جن میں سے کسی ایک کا انتخاب ہم کر سکتے ہیں اسی ایک امکان کا انتخاب ہمارا فیصلہ ہے اور آنے والے فیصلوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔بورخیس کی یہ کہانی وقت کے بے کنار پھیلاو، لکھے ہوئے

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

لفظ کی سچائی، ناول میں کئی امکانات کی بیک وقت موجودگی، شطرنج کے کھیل میں چالوں کے تنوع اور بھول بھلیوں کی مدد سے حقیقت کے مابعد جدید تصور کو پیش کرتی ہے جس میں کسی حتمی یا واحد حقیت کا وجود نہیں سو ہمارے پاس متنوع راستے ہیں جن میں سے ایک وقت میں کسی ایک کا انتخاب ہی ہماری آزادی اور مجبوری ہے۔اس پیراڈکس کو واضح کرتی یہ کہانی عام چینی پروفیسر کے قصے سے کہیں زیادہ آفاقی مسئلے کو پیش کرتی ہے، جس کے پس پشت بورخیس کا انتھک مطالعے واضح نظر آتا ہے۔

بورخیس کی کہانی جہاں حقیقت اور طلسم کی درمیان سرحدیں تحلیل کر دیتی ہے وہیں اپنے علامتی اور مبہم بیانیے کے سبب قارئین اور مترجمین سے اچھی بھلی تپسیا مانگتی ہے جس کا اعتراف زیف سید بھول بھلیوں کے دیباچے میں کر چکے ہیں۔یہ وضاحت کرتے چلیں کہ کوئی ترجمہ حتمی ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے اصل میں ترجمہ قاری کو اس مسرت میں شریک کرنا ہے جس سے ایک مترجم دورانِ قرات گزرتا ہے زیف سید اپنے قارئین کو اس مسرت میں کس حد تک شامل کرتے ہیں اس کے لیے افسانہ **باغِ ہزار پیچ** سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

بقیہ غیر حقیقی، لایعنی ہے۔میڈن نے اندر جھپٹ کر مجھے پکڑ لیا۔مجھے پھانسی کی سزا ہوئی۔یہ کہنا ہولناک ہے لیکن میں جیت گیا۔میں نے برلن تک اس شہر کا خفیہ نام پہنچا دیا جس پر حملہ کیا جانا تھا۔کل جرمنوں نے اس پر بمباری کی۔میں نے انھی اخباروں میں معروف ماہرِ چینی علوم سٹیون البرٹ کے عجیب کیس کے بارے میں بھی پڑھا۔جنھیں کسی مکمل اجنبی یو تسون نے قتل کر دیا تھا۔میرے کمانڈر نے پہیلی حل کر لی تھی۔وہ جانتے تھے کہ جنگ کے شور اور افراتفری کے دوران میرا مخمصہ اس شہر کا نام ان تک پہنچانا تھا جس پر حملہ کیا جانا تھا اور اس کا واحد طریقہ یہ تھا کہ میں البرٹ نام کے کسی شخص کو قتل کروں۔میرے حکام یا کسی کو بھی میرے مسلسل پچھتاوے اور تھکاوٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔(6)

محمد عاصم بٹ نے اسی اقتباس کا ترجمہ کچھ یوں کیا ہے:

باقی سب کچھ غیر حقیقی، غیر اہم ہے۔میڈن اندر گھس آیا اور اس نے مجھے گرفتار کر لیا۔مجھے پھانسی کا سزاوار اقرار دیا گیا۔میں انتہائی ناگوار انداز میں جیت گیا۔میں نے برلن تک اس شہر کے خفیہ نام کی ترسیل کر دی جس پر انھیں حملہ کرنا چاہیے تھا۔کل ہی انہوں نے اس ہر بمباری کی۔میں نے یہ خبر انہی اخباروں میں پڑھی جو انگلستان بھر میں ایک اجنبی یو تسون کے ہاتھوں چینی زبان و ثقافت کے معروف عالم البرٹ سٹیفن کے قتل کے معمے کو زیر بحث لائے تھے۔چیف نے یہ معمہ حل کر لیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ میرا مسئلہ (جنگ کے کان پھاڑ دینے والے شور و غوغا میں) البرٹ نامی ایک شخص کی نشاندہی کرنا تھا اور یہ کہ میرے پاس ایسا کرنے کے لیے اسی نام کے ایک شخص کو قتل کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔لیکن وہ نہیں جانتا (نہ کوئی جان سکتا ہے) میرے بے حساب ندامت اور تھکاوٹ کو۔(7)

دونوں تراجم کے تقابل سے قبل بورخیس کے انگریزی مترجم Andrew Hurley کا ترجمہ بھی نقل کرتے ہیں:

The rest is unreal, insignificant. Madden burst into the room and arrested me. I have been sentenced to hang. I have most abhorrently triumphed: I have communicated to Berlin the secreted name of city to be attacked. Yesterday it was bombed- I read about it in the same newspapers that posted to all of England the enigma of the murder of the eminent sinologist Stephen Albert by a stranger, Yu Tsun. The leader solved the riddle. He know that my problem was how to report (over the deafening noise of the war) the name of the city named Albert, and the only way I could find was murdering a person of the name. He does not know (no one can know) my endless contrition, and my weariness. (8)

پہلے اور دوسرے ترجمے میں جزوی اختلافات ہیں: مثلاً زیف سید نے Burst کا ترجمہ جھپٹ پڑنا جبکہ محمد عاصم بٹ نے گھس آنا کیا ہے جب کہ جملے: I have communicated to Berlin the secreted name of city to be attacked. کا محمد عاصم بٹ نے: میں نے برلن تک اس شہر کے خفیہ نام کی ترسیل کر دی جس پر انھیں حملہ کرنا چاہیے تھا، ترجمہ کیا ہے جس میں حملہ کرنا چاہیے تھا، موقع و محل کے مطابق مناسب نہیں، زیف سید کا ترجمہ: میں نے برلن

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تک اس شہر کا خفیہ نام پہنچا دیا جس پر حملہ کیا جانا تھا،اس کے مقابلے میں زیادہ موزوں ہے۔تاہم زیف سید نے انگریزی ترجمے میں موجود جملہ ہائے معترضہ کا ترجمہ شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔تراجم میں اختلاف کا باعث شاید یہ بھی ہے کہ زیف سید نے Norman Thomas Giovanni کے انگریزی ترجمے کو مآخذ بنایا ہے البتہ کہیں کہیں Andrew Hurley سے بھی استفادہ کیا ہے جب کہ محمد عاصم بٹ اپنے مآخذ کے بارے میں خاموش ہیں تاہم داخلی شاہد سے ثابت ہے کہ یہ ترجمہ Andrew Hurley کے ترجمے کی ہی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

کتاب میں بورخیس کے افسانوں کے علاوہ مضامین اور نظمیں بھی ہیں جن میں ایک مضمون "کافکا اور اس کے پیش رو"(9) ہے۔اس مضمون میں بورخیس نے بیسویں صدی کے فکشن پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والے جرمن مصنف فرانز کافکا کے انداز تحریر کو موضوع بناتے ہوئے اس سے ملتی جلتی مثالوں کی ماضی میں موجودگی کی نشان دہی کی ہے۔جن میں سر فہرست یونانی فلسفی زینو کا حرکت کا پیراڈاکس ہے جس میں زینو کا استدلال ہے کہ کوئی وجود نقطہ الف سے ب تک حرکت کر ہی نہیں سکتا جب تک وہ الف اور بے کے درمیان فاصلے کا نصف نہ طے کر لے،اور اس سے پہلے اس نصف کا نصف اور پھر اس نصف کے نصف کا نصف۔تنصیف کا یہ سلسلہ لا متناہی ہے اور کوئی ثابت نہیں کر پائے گا کہ کوئی وجود الف سے ب تک سفر کر سکتا ہے۔اس کی دوسری مثال وہ ایک چینی مصنف یان ہیو کی حکایت میں تلاش کرتے ہیں۔جو ایک جانور یونیکورن کی مثال دیتا ہے جو نہ بیل کی مانند ہے نہ بھیڑ یے جیسا نہ ہرن جیسا۔ان حالات میں یونیکورن سامنے آ بھی جائے تو اسے کوئی پہچان نہیں پائے گا۔تیسری مثال کیرکے گاڈ کی تحریروں اور چوتھی مثال براونگ کی نظم "فیئر زاینڈ سکروپلز" کی ہے۔جس کا مرکزی کردار ایک ایسا شخص ہے جو کسی دوسرے آدمی کا اپنا دوست سمجھتا ہے مگر ان کی کبھی ملاقات نہیں ہوتی۔وہ لوگوں کو خطوط دکھاتا ہے کہ یہ اس دوست نے لکھے ہیں مگر کچھ لوگوں کو خطوں کے انتساب میں شبہ ہے کہ یہ جعلی ہیں۔پوچھنے پر وہ آدمی یوں وضاحت کرتا ہے کہ "اگر یہ دوست خدا ہو تو پھر؟" اور سب کو لاجواب کر دیتا ہے۔

یہ چند مثالیں ویسی ہی دنیا کو پیش کرتی ہیں جسے میلان کنڈیرا نے "کافکائیت"(10) کا نام دیا ہے اور یہ سب مصنفین کافکا سے قبل کے ہیں۔کافکا کی تحریروں کے اپنے غیر مانوس پن کی وجہ سے ایک وقت تک مبہم اور لایعنی سمجھا گیا مگر جلد ہی وہ موجود دنیا کی تفہیم میں معاون ثابت ہونے لگیں جس سے کافکا کی فنّی عظمت قارئین پر کھلنے لگی۔بورخیس کے اس جملے "ہر مصنف اپنے پیش رو پیدا کرتا ہے" کی جتنی داد دی جائے کم ہے،اور بلاشبہ ہر بڑا مصنف اپنے پیش رو پیدا کرتا ہے،وہ کچھ ایسا لکھ جاتا ہے کہ اپنے پیش رووں کو بھی قعر گمنامی سے نکال باہر کرتا ہے۔آخری حصے میں بورخیس کی کچھ نظموں کے تراجم شامل ہیں افسانوں اور مضامین کی طرح نظموں میں بھی وقت کا بہاؤ،لا متناہی کائنات میں انسان کی حیثیت اور لائبریری کی سیال دانش ہلکورے لیتی نظر آتی ہے۔بورخیس کسی اچھوتے لفظ کے استعمال یا نئے استعارے کی تلاش میں مغزماری نہیں کرتے بلکہ سہولت سے اپنی بات قارئین کے سپرد کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ان کی ایک نظم کا ترجمہ پیش خدمت ہے جو ان کے آخری دنوں کی تخلیق ہے جب وہ بصارت سے محروم ہو چکے تھے۔نظم ملاحظہ فرمائیں:

**اندھاپن**

پکی عمر میں/میں چاہوں نہ چاہوں
اک تاباں، مسلسل کہر مجھے گھیرے رکھتی ہے
جو چیزوں کو توڑ کر ایک کر دیتی ہے
بے رنگ، بے شکل، تقریباً خیال کی طرح
بسیط، وسیع رات اور دن/لوگوں سے اٹا اٹ/اس کہر میں ڈھل گئے ہیں
آزمائشی روشنی کی مستقل کہر، جو ماند نہیں پڑتی
اور صبح دم گھات لگائے بیٹھی رہتی ہے
مجھے تڑپ ہے/صرف ایک بار کوئی چہرہ دیکھنے کی
کوئی اجنبی چہرہ/بند انسائیکلوپیڈیا/خوبصورت ڈراما

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ان جلدوں میں جنھیں میں صرف ہاتھ سے پکڑ سکتا ہوں
ننھے اڑان بھرتے پرندے، سونے کے چاند
دوسروں کے پاس دنیا ہے، بری یا بھلی
میرے پاس یہ نیم تاریکی/اور شاعری کی مشقت(11)

بورخیس اپنے انتھک مطالعے، غور فکر اور پامال راستوں سے بچ کر تخلیقی راہ خلق کرنے کے باعث میرے محبوب لکھاریوں میں سے ہیں وہ لکھاری جن کی تعداد انگلیوں پر باآسانی گنی جاسکتی ہے۔

**حواشی وحوالہ جات**

1۔ شائستہ شریف، اردو میں بورخیس کے تراجم، مشمولہ: بنیاد (شمارہ: 11)، 2020، ص: 143
2۔ بورخیس، خورخے لوئیس، بھول بھلیاں (مترجم: زیف سید)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 2019، ص: 17
3. Ludwig Wittgenstein :The Limits of my language are the limits of my word .
4۔ بورخیس، خورخے لوئیس، بھول بھلیاں (مترجم: زیف سید)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 2019، ص: 134
5۔ بورخیس، خورخے لوئیس، بھول بھلیاں (مترجم: زیف سید)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، 2019، ص: 46
6۔ ایضاً، ص: 56
7۔ بورخیس، خورخے لوئیس، بورخیس کہانیاں (مترجم: محمد عاصم بٹ)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2017، ص: 99
8. Borges, Jorge Luis, Collected Fictions (Translated by: Andrew Hurley), New York: Penguin Books,1998, p: 127,128
9۔ بورخیس، خورخے لوئیس، باغِ ہزار پیچ (مترجم: زیف سید)، کراچی: سٹی بک پوئنٹ، 2021، ص 168
10. Milan Kundera, The Art of the Novel, Harper Perennial, 2003, P:100
11۔ بورخیس، خورخے لوئیس، باغِ ہزار پیچ (مترجم: زیف سید)، کراچی: سٹی بک پوئنٹ، 2021، ص 215